یادِ عرفاں

سرور عرفانی

بادۂ عرفاں

از

بابو آنند کمار جین سرورؔ عرفانی

پیش لفظ

برسوں پہلے جب دیوانِ حافظ کا مطالعہ باقاعدہ کرنے کا موقع ملا تھا، اس وقت خواجہ کے متعلق بہت سی جھوٹی سچی باتیں پڑھی اور سُنی تھیں۔ نہ اس وقت تحقیق کا موقع ملا اور نہ اب تک اس کی توفیق ہوئی کہ صحیح و غلط کو پرکھا جائے۔ بہرحال یاد ہے کہ جب حافظ کی شاعری کے وہبی اور الہامی ہونے کا ذکر آیا تھا تو بتایا گیا تھا کہ حافظ شاعری سے نابلد تھے اور انہما رخیال کی صلاحیتوں سے محروم۔ اپنے ہم چشموں کے سامنے سخت احساس کمتری کا شکار تھے، اور ہر وقت کڑھتے رہتے تھے۔ ایک رات قسمت نے یاوری کی۔ انھیں حضرت علیؓ کی زیارت خواب میں نصیب ہوئی، اور صبح کو اٹھے تو ایران کے مشہور شاعر تھے۔ اس عالم میں جو غزل کہی اس کا مشہور مطلع ہر صاحبِ ذوق کے ذہن میں ہوگا ؎

دوش وقتِ سحر از غصّہ نجاتم دادند
اندراں ظلمتِ شب آبِ حیاتم دادند

پوری غزل پر اس زندگی بخش کیفیت کا سایہ پڑ رہا ہے اور شاعری

نہ مکیں کوئی نہ مکاں کوئی در و بام ہیں نہ دیار ہے
میں جہاں ہوں عالمِ راز ہے نہ خزاں ہے اور نہ بہار ہے
نہ وہ لذتیں نہ وہ حسرتیں نہ امید و یاس کی کلفتیں
نہ وہ اضطراب دل و نظر نہ خیال صبر و قرار ہے
نہ غمِ جہاں کی وہ شورشیں نہ حیات و مرگ کی منزلیں
میں وہ حال ہوں نہ بقا جسے نہ فنا میں جس کا شمار ہے
وہ نظر ہوں جس میں عیاں ہوئی ہے مری حقیقت واقعی
میں وہ آئینہ ہوں کہ جس پہ اب کوئی گرد ہے نہ غبار ہے
نہ شعورِ شعر و سخن جسے نہ کسی سے داد کی آرزو
یہ غزل ہے ایک فقیر کی یہ سرور! دل کی پکار ہے

۱۸۰۸۰۶۶

دل خوگرِ آزار ہے لذّتِ کشِ غم ہے
تم قہر نگاہی جسے سمجھے ہو کرم ہے

کھویا ہوں کسی راہ میں آوارہ نہیں ہوں
منزل مری بیگانگیِ دیر و حرم ہے

معلوم ہے زاہد ترے سجدوں کی حقیقت
جنّت کی ہوس میں تجھے ایمان کا غم ہے

ہر گام پہ شکوہ ہے ستم ہائے فلک کا
اے زیست تری فکر کی رفتار میں خم ہے

ساقی نے جو بخشا ہے سرورِ مئے عرفاں
پہلی سی وہ دنیا ہے نہ وہ کاہشِ غم ہے

۱۰-۱۲-۶۴

مرحبا جوشِ جنوں! ہر غم سے ہم ٹکرا گئے
ایک مشتِ خاک تھی لیکن جہاں پر چھا گئے

اُن کی وہ بے اعتنائی اور میری بے بسی
جب خیال آیا مری آنکھوں میں آنسو آ گئے

یاس کے پردوں میں غائب ہو چکی تھی آرزو
خواب کچھ ایسے نظر آئے کہ پھر تڑپا گئے

ہم سمجھتے تھے کہ ہے رنگِ جہاں مثلِ سراب
آرزو نے وہ سماں باندھا کہ دھوکا کھا گئے

عقل و دانش کے تصوّر میں نہ تھی راہِ سرور
ہم نے دل جب عشق کو سونپا تو منزل پا گئے

۱۲-۷-۶۷

وفورِ لذّتِ غم نے جو کھولی ہے زباں میری
اسی کی ترجماں ہے یہ نئی طرزِ بیاں میری

جو شمع غم کی لَو ہر روز بڑھتی ہی گئی دل میں
تو اک دن یہ پتہ دے گی کہ منزل ہے کہاں میری

نقاب اس رُخ پہ ہے یا خود مری آنکھوں پہ پردے ہیں
وہ پنہاں ہیں نظر سے یا حقیقت ہے نہاں میری

وہ میری تشنہ کامی کی ادائے بے نیازانہ
تو اٹھنے کے لیے اُٹھا ہے خود پیرِ مغاں میری

وہاں پہنچا دیا مجھ کو سرورِ مے گساری نے
کہ دنیا سن رہی ہے میکشی کی داستاں میری

۲۹۰ ۱۱۰۹۴

غازیِ دار و رسن نامِ خدا ہیں کتنے!
ان کے افسانے مگر ہوش رُبا ہیں کتنے

یوں تو وارفتۂ انداز و ادا ہیں کتنے
دیکھنا یہ بھی ہے پابندِ وفا ہیں کتنے

عمر بھر خوبیِ تقدیر کو رونی ہے امید
جو صلے تشنۂ تاثیر دعا ہیں کتنے

جن کے قدموں سے ہی ہے گلزار زمینِ صحرا
تیرے دیوانوں میں وہ آبلہ پا ہیں کتنے

جان و دل ہوش و خرد ان کو ہی سونپ آئے سرود
ہم کہاں سوچتے آدابِ وفا ہیں کتنے

ترس رہی ہیں نگاہیں اسی نظر کے لیے
جو دے گئی ہے خلش دل کو عمر بھر کے لیے

خوشا وفورِ غمِ ہجر و دورِ تیرہ شبی!
یہ اہتمام ہیں سب آمدِ سحر کے لیے

کہیں حرم تو کہیں بُت کدے ہیں جلوہ نما
جہاں جُھکی ہے جبیں تیرے سنگِ در کے لیے

فریبِ زیست میں گم ہو گئی ہے راہِ سرور
تڑپ رہے ہیں اندھیرے میں راہبر کے لیے

۱۴۰۵۰۹۶

ان کی محفل میں سب کو جام آئے
اک ہمیں تھے جو تشنہ کام آئے

دل کو جب حسرتوں نے تڑپایا
عقل اور ہوش کچھ نہ کام آئے

اور کچھ روز انتظار ابھی
جب بھی آئے یہی پیام آئے

ان کے دامن پہ ہو نماز سرورؔ
کوئی ایسی حسین شام آئے

خوشا وہ دل کہ جس کو آتشِ فراقت جلاتی ہے
دھواں دیتی ہے ہر اک آہ رحمت مسکراتی ہے
وہ سوزِ دل کہ جس میں سازِ دل کا رنگ آجائے
جسے حاصل ہو اُس کی زندگی اک رنگ لاتی ہے
وہ جن کے نقشِ پا رہبر ہیں میری زندگانی میں
انہیں رندوں کی اب تصویر آنکھوں میں سماتی ہے
مری تسکین کا باعث ہے سرورِ بادۂ عرفاں
کہ ہر کلفت نشاطِ روح کی صورت میں آتی ہے

۲۴۰۱۱۰۶۴

خوشا جنوں کہ خود اپنی ہی اب خبر سے گئے
ہم اُن کی راہ میں دنیا کے شور و شر سے گئے

گذر گئے وہ برابر سے بے نیازانہ
ہمارے اشکِ تمنّا بھی بے اثر سے گئے

سُنا جو ذکرِ وفائے صنم کسی سے کہیں
تو داغ سینے میں اپنے بھی کچھ اُبھر سے گئے

تمام رات جو آنسو بہائے شبنم نے
سحر کو پھولوں کے چہرے بھی کچھ اُتر سے گئے

بہت مناظرِ دورِ خزاں نظر آئے
مگر نہ رنگِ بہاراں کبھی نظر سے گئے

نہ زندگی کی تمنّا ہے اب نہ موت کا غم
سرورؔ گردشِ دوراں کے ہر اثر سے گئے

۲۰۸۰۶۵

کسی کی یاد دل کا چین جب برباد کرتی ہے
نظر سوئے فلک اُٹھتی ہے اور فریاد کرتی ہے

محبت کے کئی انداز ملتے ہیں زمانے میں
کہیں تسکین دیتی ہے کہیں بیداد کرتی ہے

مرادردِ محبت بھی نہیں بے واسطہ واعظ
کہ ہر آہِ دلِ مضطر خدا کی یاد کرتی ہے

سرورِ آرامِ جاں ہے کس قدر کیفیتِ عرفاں
نشاطِ روح بھی ہے اور دل بھی شاد کرتی ہے

۲۳ ۔ ۱۱ ۔ ۹۴

کی تخلیقی قوت ایک تیز و تند شفاف چشمے کی طرح اُبلتی نظر آتی ہے۔

معلوم نہیں اس روایت کی حقیقت کیا ہے۔ لیکن جب کبھی کسی شاعر یا فن کار کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایک خاص عمر سے پہلے کبھی شعر نہیں کہا تھا اور یکایک کسی مخصوص کیفیت کے تحت شعر کی دیوی کی پرستش شروع کر دی ہے تو مجھے خواجہ حافظ کے اس شعر کا خیال ضرور آتا ہے۔

رام پور سے محبی نجم الدین نقوی (رضا ڈگری کالج) نے جب مجھے انند کمار جین صاحب کی غزلوں کی بیاض بھیجی اور ساتھ ہی یہ اطلاع دی کہ موصوف نے عمر کا بڑا حصہ مختلف قسم کے غیر شاعرانہ مشاغل میں گزار کر یکایک شاعری شروع کی ہے اور ایک رات اپنے مرشد اور بزرگ حضرت سید عرفان شاہ کی ہدایت خواب میں پاکر غزلیں کہی ہیں تو مجھے فوراً خواجہ حافظ یاد آئے۔ اور ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ ع

عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

جس کے دل میں درد، جس کے سر میں سودا۔ اور جس کے ذہن میں خیالات ہوں، جسے قدرت کی طرف سے موزوں طبع ملی ہو وہ شاعری کر سکتا ہے اور اپنے جذبات و تصورات سچائی کے ساتھ پیش کر سکتا ہے۔ انند کمار صاحب کا اس طرح یکایک شاعر بن جانا اور پختہ کاروں کے انداز میں غزلیں کہنا اس حیثیت سے تو حیرت خیز ہے کہ موصوف نے بغیر کسی مشق و ریاضت کے جب اس وادی میں قدم رکھا تو بڑی آسانی سے گل و بلبل کھلا دیئے۔ لیکن جو شخص بھی انسانی ذہن کی طلسمی راہوں کا اندازہ رکھتا ہے اسے معلوم ہوگا کہ یہ اخلاقی تصورات اور روحانی خیالات، یہ سوز محبت اور درد انسانی برسہا برس

حُسن پردے میں ہے اظہار مگر اور ہی ہے
آرزوئے دلِ خوددار مگر اور ہی ہے

گردشِ چرخِ ستم گر کا اثر بھی دیکھا
گردشِ چشمِ فسوں کار مگر اور ہی ہے

روضۂ تاج تری شوکتِ شاہی تسلیم
عظمتِ عشق کا معیار مگر اور ہی ہے

قصۂ کوہکن و قیس سُنا ہے اکثر
یہ حدیثِ دلِ بیمار مگر اور ہی ہے

وصل گو حاصلِ معراجِ محبت ہے سرورؔ
لذتِ حسرتِ دیدار مگر اور ہی ہے

۲۸۰ ۱۱۰ ۶۷

اب ضبطِ غمِ ہجر کا یارا بھی نہیں ہے!
اور ان کو پکاروں یہ گوارا بھی نہیں ہے

ہر چند نیا دَور ہے ہر لمحہ جفا کا!
دل مشقِ ستم سے ابھی ہارا بھی نہیں ہے

اُٹھیں ترے در سے تو یہ دیوانے کہاں جائیں
ایسوں کا کہیں اور گذارا بھی نہیں ہے

گذری ہے سرور اپنی رہِ شوق میں لیکن!
منزل نے ابھی بڑھ کے پکارا بھی نہیں ہے

۶۰۲۰۶۸

دل کہ برباد ہوا اپنے ہی ارمانوں سے
داستاں بنتی رہی سیکڑوں عنوانوں سے

اک نئی جرأتِ کردار ملی ہے ہر بار
کشتیٔ زیست جو ٹکرائی ہے طوفانوں سے

ہم نے دیکھا ہی ترستے ہوئے پانی کو انھیں
جن کو تھا ربط چھلکتے ہوئے پیمانوں سے

حسن اور عشق کی تاریخ رہی ہے شاہد
حسن کا نام ہوا عشق کے افسانوں سے

ایسا گذرا ہے کوئی سوختہ جاں شعلہ نوا
آج بھی جس کی صدا آتی ہے ویرانوں سے

اتفاقاً کہیں مل جائیں اگر تم کو سرورؔ
پوچھنا رازِ مسرت کبھی دیوانوں سے!

۲۶۰۵۰۹۵

عکسِ جمالِ یار جو دل میں اُتار لوں
پھر وہ غزل کہوں کہ میں دنیا سنوار لوں

میری طلب کو وعدۂ دیدار چاہیے
میں تو حیاتِ خضر بھی لے کر گزار لوں

اے موت لمحہ بھر کو ٹھہر جا کہ ایک بار
میں دل کی دھڑکنوں سے کسی کو پکار لوں

ہوش اُن کی نذر کر کے سبکدوش ہو نہ جاؤں
کیوں اپنے سر پہ روز خطاؤں کا بار لوں

ساقی کی ہر نظر میں ہے اِک خلدِ نو نثار
کیوں نقدِ کیف چھوڑ کے جنّت اُدھار لوں

۱۸۰۳۶۸

گھٹا جب آسماں پر گھر کے چھائی
کسی کی زلفِ شبگوں یاد آئی

کہوں کیا باعثِ بربادیِ دل
اک آگ ایسی لگی جو بجھ نہ پائی

نہ پوچھو دردِ فرقت کے فسانے
جو شب آئی نیا غم ساتھ لائی

نظر سے دُور لیکن دل کے نزدیک
اسے قربت کہوں اب یا جُدائی

سرورؔ اکثر جو ہوش آیا ہے دل کو
تو دی ہے مرگِ غیرت کی دُہائی

تھے کل جو دل فریب مناظر بہار کے
مُرجھا کے کیا ہوئے وہ سُمن لالہ زار کے

ہیں گرد فرشِ راہ وہی چند پھول آج
زیبِ گلو تھے کل جو کسی تاجدار کے

ہر شئے کا ایک مول ہے بازارِ دہر میں
گاہک نہیں مگر دلِ اُلفت شعار کے

سُنتا نہیں کسی کی کوئی داستانِ غم
شاکی سبھی ہیں گردشِ لیل نہار کے

ملتا ہی کب کسی کو جو تقدیر میں نہ ہو
کیوں کھوئیے بھرم کہیں دامن پسار کے

شاید غمِ حیات کا درماں ملے سرورؔ
دیکھیں گے میکدے میں کوئی دن گزار کے

۸۰۳۰۶۶

بہارِ عارضِ گل میں جو مسکرائی ہے
یہ کس نے رُخ سے چمن میں نقاب اٹھائی ہے
جہاں کہیں دلِ ناداں نے چوٹ کھائی ہے
وہیں سے زیست کو اک راہ ہاتھ آئی ہے
حرم سے مجھ کو تعلق نہ دیر سے مطلب
خیالِ یار تجھی تک مری رسائی ہے
زمانہ ہے کہ گھڑے جا رہا ہے افسانے
یہاں تو بات ہی کوئی نہ لب پہ آئی ہے
اسیرِ پنجۂ عصیاں ہے مضطرب ہی سرورؔ
نگاہِ رحمتِ باری تری دہائی ہے!

غرض تمہیں سے ہے دنیا سے کوئی کام نہیں
تمہارے در کا گدا ہوں گدائے عام نہیں

حریم ناز کی پابندیاں ہٹا دیجے!
خلوص شوق ہے ہم کو جنونِ خام نہیں

تری نگاہِ کرم کے لئے تڑپتا ہوں
مرے خیال میں دنیا کا احتشام نہیں

ترے جمال کی رعنائیوں میں گم ہو کر
مری وہ صبح نہیں اب مری وہ شام نہیں

ملا ہے آپ کے در سے وہ سازِ نوفاں
کہ اب سرورِ طلب گارِ لطفِ جام نہیں

۱۵-۴-۶۸

جواب دیں گے ہم آج اُن کو کہیں جو شیخِ حرم ملیں گے
حرم کے پردے اُٹھا کے دیکھیں وہاں بھی ان کو صنم ملیں گے
جو چل کے دیر و حرم میں دیکھو ملیں گے کتنے ہی سالک ایسے
جو سالکِ راہِ عشق ڈھونڈھو تو اس زمانے میں کم ملیں گے
جو کھو گئے اپنی جستجو میں انہیں کو اس کا پتہ ملا ہے
رہِ طلب میں بھی یوں تو ہر سو ہزار نقشِ قدم ملیں گے
ہر آرزو پہ ہراساں طاری شکستہ دل اور اشک جاری!
عطائے عرفانِ زیست ہو کے جنہیں یہ اندوہ و غم ملیں گے
خوشا وفورِ سرورِ عرفاں کہ رنج و راحت ہوئے ہیں یکساں
سکوں کی دل کو تلاش ہوگی نہ اب وہ فکر و الم ملیں گے

رہیں گے تذکرے کیا کیا نہ جانے بعد مرے
کہے گی کیا مجھے دنیا نہ جانے بعد مرے

یہ اضطرابِ جنوں یہ خروشِ نیم شبی!
کہاں کریں گے ٹھکانا نہ جانے بعد مرے

وہ میکدہ ہوں کہ رویا کریں گے رند مجھے
ہو رنگِ بادہ کشی کیا نہ جانے بعد مرے

ہے مرے شوق کی دنیا جو بزمِ ہوش ربا
بنے گی کس کی تمنّا نہ جانے بعد مرے

سرور! راہنما ہوں کس اہلِ دل کے لیے
مرے نقوشِ کفِ پا نہ جانے بعد مرے

۲۷-۸-۶۶

سے ان کے قلب وذہن میں پرورش پا رہے تھے، مواد تیار ہو رہا تھا، مسائل یکجا ہو رہے تھے اور جیسے ہی تخلیقی قوت نے اُبلنے کا موقع پایا اس مواد کو سانچے میں ڈھال دیا۔ اسی طرح افکار و خیالات نے نکاس کا ایک موزوں راستہ تلاش کر لیا۔

یہ فیضان کس کا ہے اس کے متعلق اختلاف رائے ہو سکتا ہے۔ خود شاعر کا خیال ہے کہ یہ اُن کے مُرشد کی نگاہ کیمیا اثر ہے۔ دوسرے لوگ کہہ سکتے ہیں کہ جین صاحب میں شعرگوئی کی صلاحیت پہلے سے موجود تھی۔ ان کے باطن میں خوابیدہ تھی۔ جیسے ہی دل کو کوئی اشارہ ملا وہ قوت پھوٹ نکلی۔ صورت حال جو بھی ہو اتنی بات بہت واضح ہے کہ موصوف کی غزلوں سے ایک سنجیدہ، مہذب، رچے ہوئے ادبی ذہن کا پتہ چلتا ہے۔

ان کے پیشِ نظر انسان کا وہ دکھ درد ہے جو محض دنیا کے حاصل کرنے کے دکھ درد سے مختلف ہے۔ عام طور سے فارسی اور اردو شاعری میں یہ رنگ ہمارے صوفی شعراء کے یہاں ہی ملے گا اور کلاسیکی شاعری کے نقطۂ نظر سے یہ بڑی اہمیت کا مستحق قرار پائے گا۔

زمانے کا بدلا ہوا ذوق ہر لمحہ نئے مطالبات کرتا رہتا ہے اور ایسا کرنے میں وہ حق بجانب ہے۔ لیکن بنیادی اخلاقی تصورات اور سوزِ عشق میں تپے ہوئے خیالات کی گرمی سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ پھر جب وہ اس پختگی اور خلوص، دلسوزی اور دلکشی کے ساتھ پیش کیے گئے ہوں۔

جین صاحب کے متعلق اگر یہ نہ معلوم ہو کہ ان کی شاعری کی عمر ابھی چار برس

از حضرت بدر تسلیمی رامپوری

حضور ناقدرانِ ہوش قنداں
سرور رامپوری کا ہے دیواں

لسان الغیب حافظ کے مقلّد
یہ سرمستِ سخن تھے زیبِ امکاں

بچشمِ غور مجموعہ یہ پڑھنا
ملے گی جا بجا صہبائے عرفاں

فصاحت جلوہ فرمائے سخن ہے
ثناخواں ہیں سخنداں و زبانداں

بدایونی عروج خوش بیاں کا
اچانک جب ہوا مجھ کو یہ فرماں

لکھوں اک قطعۂ تاریخ میں بھی
نمایاں جس سے ہوں اوصافِ فنداں

بنامِ "بادۂ عرفاں" سخن میں
بھری ہے مستیِ صہبائے عرفاں

بہ شوقِ صدرِ بادہ بدر لکھ دے
سرورِ بادۂ مستی عرفاں

۹ ۱۳ ھ

ا بخرجۂ الف بادہ

اظہر عنایتی

فخرِ تہذیبِ محبت تھا سرور
شانِ اقدارِ شرافت تھا سرور

اُس کو ہندو نہ مسلماں کہیئے
پیکرِ خلق و مروت تھا سرور

بھگوان سروپ سکسینہ۔ مسافر

میکدے میں کوئی شعور نہیں
بزمِ شعر و سخن میں نور نہیں

اے مسافر جگر نے ٹھیک کہا
پی رہے ہیں مگر سرور نہیں

سحرؔ رام پوری

وہ جو تھا رند باشعور گیا
اور ہماری پہنچ سے دور گیا

سوز سے ساز تک ہیں فریادی
جس کے دم کا تھا سب ظہور گیا

اپنا دامن سمیٹ لیں نظریں !
روشنی رہ گئی ہے نور گیا

کون آئے اداشناسی کو
حسن کیا حسن کا غرور گیا

رو رہے ہیں جسے شکیب و کمال
کب کا لے قلب ناصبور گیا

کیوں نہ ہو بار ذہنِ راہی پر
کیا حریفِ تنک شعور گیا

کہہ رہی ہے شرابِ شعر و سخن
نشّہ غائب ہوا سرور گیا

سوگواری کے نام پر بھی سحرؔ
تم کہاں تھے جو رام پور گیا

دواکر راہی

عجب اندھیر ہے اس دورِ پرآشوب میں راہی
ضرورت جن کی زائد ہے وہی کم ہوتے جاتے ہیں
نظر آتی تو ہیں بڑھتی ہوئی آبادیاں لیکن
تری دنیا میں یارب آدمی کم ہوتے جاتے ہیں

ساز سیمابی

ادب کی جان تغزل کا رنگ و نور سرور
سرور "بادۂ عرفان" و باشعور سرور
ہوئے جو داخل میخانۂ غزل اے ساز
ہر اک رند پکارا کیا سرور سرور

کی بھی نہیں ہے تو شاعری کا بڑے سے بڑا نقاش بھی اس میں وہ خامیاں نہیں نکال سکے گا جو ابتدائے مشق میں پائی جاتی ہیں۔

یہ بہت بڑی بات ہے کہ پاکیزہ خیالات اور سلجھے ہوئے جذبات کے ساتھ ساتھ ان کے کلام میں فنی پختگی بھی ہے۔

میرا خیال ہے کہ موصوف کی غزلوں کے بہت سے اشعار بہت سے دلوں میں درد اور کسک پیدا کریں گے۔ اس سے زیادہ کسی شاعر کو کوئی اور تمنا کرنا بھی نہیں چاہیے۔

یہ چند سطریں میں نے اس لیے لکھی ہیں کہ جب میں نے اندکار جین سرور عرفانی کے اشعار پڑھے تو مجھے کئی اشعار میں بڑی لذت ملی، اور میں نے سوچا کہ اس میں دوسرے پڑھنے والوں کو بھی شریک ہونے کی دعوت دوں۔

سید احتشام حسین

الہ آباد۔ ۲۴ جولائی ۱۹۶۸ء

تشکر

"بادۂ عرفاں" کی اشاعت والد صاحب جناب انند کمار جین سرور عرفانی اپنی حیات ہی میں کرانا چاہتے تھے۔ لیکن زندگی نے وفا نہ کی۔ ان کے انتقال کے بعد میری یہ کوشش رہی کہ جلد سے جلد بابو جی کی خواہش کا تکملہ ہو جائے۔ لیکن آج سے قبل "بادۂ عرفاں" کو مکتوبی شکل میں پیش کرنا باوجود میری کوشش کے ممکن نہ ہو سکا۔ بہر حال دیر آید درست آید کے مصداق بابو جی کے اشعار کا انتخاب شائع کر کے نہ صرف میں اپنے فرض سے ادا ہوتا ہوں بلکہ ایک زبردست مسرت بھی محسوس کر رہا ہوں۔

بہر حال میں اپنا خوشگوار فریضہ سمجھتا ہوں کہ ان تمام حضرات کا اپنے دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کروں جنہوں نے "بادۂ عرفاں" کی اشاعت میں میری مدد کر کے مجھے ممنونِ کرم فرمایا۔

میں پروفیسر سید احتشام حسین صاحب صدر شعبۂ اردو الہ آباد یونیورسٹی کا ممنون ہوں کہ موصوف نے بابو جی مرحوم کی زندگی میں "بادۂ عرفاں" کے لیے ایک ایسا پیش لفظ تحریر فرمایا جسے پڑھ کر بابو جی کو بے حد مسرت ہوئی تھی جو

اس کتاب میں فخر کے ساتھ شامل کر لیا گیا۔

میرے اور باوجی صاحب کے لیے انتہائی فخر کی بات ہے کہ مولانا امتیاز علی عرشی نے اپنی عدیم الفرصتی اور ایک گونہ خرابیٔ صحت کے باوجود "بادۂ عرفاں" پر اپنے زریں خیالات قلم بند فرما کر ہم سب کو مفتخر کیا۔

میں اپنے محترم اور باوجی کے محبانِ صادق جناب رفیع الدین صاحب سالک رحمانی ڈسٹرکٹ جج بدایوں، جناب شبیر علی خاں شکیب ایڈوکیٹ، رامپوری، عروج زیدی بدایونی، محشر صاحب عنائتی، جلیل صاحب نعمانی کا بھی بے حد ممنون ہوں جن کی مسلسل رہنمائی کے بغیر اس مجموعہ کو پیش کرنا ناچیز کے بس کی بات نہ تھی۔

شری مول چند جین ڈی۔ جی۔ سی رام پور، شری شو شنکر سرن، مہیش کمار اگروال کے ہر پور تعاون کے لیے خاص طور سے شکر گزار ہوں۔

'بادۂ عرفاں' کی نفیس کتابت و طباعت کیلئے میں "صابری پرنٹنگ پریس، ناظم پرنٹنگ پریس اور شنکر پرنٹنگ پریس رام پور کا بھی ممنون ہوں جن کے تعاون کے بغیر اس شعری مجموعے کو اس آب و تاب کے ساتھ پیش کرنا ممکن نہ تھا۔

"بادۂ عرفاں"، کو پیش کرتے ہوئے میں اور میرا چھوٹا بھائی عزیزم پرمود کمار جین امید کرتے ہیں اور اللہ سے دست بدعا ہیں کہ والد مرحوم نے اخوت، مساوات، حقیقت و معرفت کے جو لافانی پیغامات اپنے اشعار کے ذریعے پیش کئے ہیں ان سے زیادہ سے زیادہ

گ مستفید ہو سکیں ۔

حقیر

رمیش کمار جین

جین مندر اسٹریٹ رام پور یو، پی

۱۶ نومبر ۱۹۶۹ء

نقاب اُس رُخ پہ ہے یا جو مری آنکھوں پہ پردے ہیں
وہ پنہاں ہیں نظر سے یا حقیقت سے نہاں میری

(سرور عرفانی)

چشمِ ساقی سے ملی ہے راہِ میخانہ مجھے
اک حیاتِ نو ہے شغلِ جام و پیمانہ مجھے

ہے جنوں کی منزلِ آخر مقامِ آگہی
اُن کو کیا معلوم جو کہتے ہیں دیوانہ مجھے

چشمِ ساقی نے مجھے زندہ حقیقت کر دیا
اور محرومِ نظر سمجھے تھے افسانہ مجھے

تنگ ہیں دونوں جہاں کی وسعتیں بھی اے سحرؔ
اک جہانِ بے جہاں ہے میرا کاشانہ مجھے

---

۲۵ . ۱۱ . ۶۴

کہنے کو برق تھی ادھر آئی اُدھر گئی
اٹھی تری نظر تو قیامت گذر گئی

اب ہر نفس ہے ایک پیامِ الم لیے
شامِ سرور و عشرتِ خواب سحر گئی

جوشِ جنوں میں خود ہمیں اپنی خبر نہیں
آئی کدھر بہار نہ جانے کدھر گئی

بیزار ہو کے بزمِ دلِ جاناں تو چھوڑ آئے
پھر بھی مگر نہ کاوشِ قلب و جگر گئی

نکلے ہیں میکدے سے جو حسنِ نظر لیے
عالم ہی تھا کچھ اور جدھر بھی نظر گئی

فکرِ مآلِ زیست میں اب غرق ہیں سرور
رقصِ مئے شباب کی دنیا گذر گئی

طبع اول　　نومبر ۱۹۶۹ء

تعداد　　۷۵۰

ناشر　　رمیش کمار جین

مطبع　　ناظم پریس رامپور

قیمت　　دو روپے

ملنے کا پتہ :-　　شنکر پرنٹنگ پریس رامپور

کوئی پردہ ہے اور نہ پردۂ ساز
نغمۂ زیست اب ہے بے آواز

خود تماشا ہوں خود تماشائی
دیدہ و دل مگر نہیں ہم راز

میری وسعت ہے عالم امکاں
میں ہوں آئینۂ شہود و مجاز

پیکرِ حسن لازوال ہوں میں
فطرتاً ماورائے ناز و نیاز

اک حقیقت ہوں اور لافانی
بے نہایت ہوں اور بے آغاز

گو سمندر میں ایک قطرہ ہوں
ہے سمندر مگر مرا اعجاز

قیدِ رنگ و بو سہی میں سرور
عرش ہے میری منزلِ پرواز

کاش ہماری جانب اُن کی نظروں کے پیغام نہ آتے
آنکھیں بھی آنسو نہ بہاتیں دل پر بھی الزام نہ آتے

اُن کے سوزِ محبت ہی سے دنیا نے ہم کو پہچانا
ورنہ زباں پر بھی تو کسی کی، ہم ایسوں کے نام نہ آتے

دل جو بتوں کی ایک نظر کے بدلے میں نیلام ہوا ہے
ہم نہ اگر اوقات گنواتے اتنے سستے دام نہ آتے

تم نے سرورؔ خود اپنے سر پر دنیا کے الزام لیے ہیں
تم جو کسی کے ہو کر رہتے تم پر یہ الزام نہ آتے

---

۱۰ • ۱۱ • ۶۶

اُن نگاہوں کے جو موہوم سہارے نہ گئے
گیسوئے زیست کسی طور سنوارے نہ گئے

عالمِ ہوش میں بھی ہم رہے پابندِ جنوں
احتیاطوں میں بھی فطرت کے اشارے نہ گئے

مرحلے زیست کے شرمندۂ راحت نہ ہوئے
دن گذارے تو مگر ہنس کے گذارے نہ گئے

حسنِ محبوب کے اندازِ کرم کیا کہیے
مرتے دم تک بھی نظر سے وہ نظارے نہ گئے

اب بھی اک ٹیس سی اُٹھ جاتی ہے گاہے گاہے
زخم فرقت کے کبھی دل سے ہمارے نہ گئے

نذرِ دل لے کے ہمی وہ آئے ہیں اُن کے در پر
کس سے فریاد کریں گے جو پکارے نہ گئے

٢١ • ٥ • ٦٦

ازل سے غم کا دل کے ساتھ کارواں لیے ہوئے
بھٹک رہی ہے زندگی جسم و جاں لیے ہوئے
جہاں سحر تھی انبساطِ بیکراں لیے ہوئے
دھواں دھواں سی شام ہے اداسیاں لیے ہوئے
ہوئی ہیں مسکراہٹیں بھی جن لبوں پہ رونما
ہیں وہ بھی دل کی تہ میں اک غمِ نہاں لیے ہوئے
جہاں ہوا ہوں خیمہ زن ہوئی ہے برق خندہ زن
کہاں کہاں پھرا ہوں سر پہ آشیاں لیے ہوئے
ملی ہے آگہی جو چاک کر کے دامنِ حیات
جنوں قدم بڑھا رہا ہے دھجیاں لیے ہوئے
خلوصِ شوق نے دیا ہے اس کو رتبۂ حرم
جہاں جبیں جھکی ہے شوقِ آستاں لیے ہوئے
سرورِ عظمتِ حیات دل کی خلوتوں میں دیکھ
کہ صاف آئینہ ہے کیا تجلیاں لیے ہوئے

---

۹ - ۱۱ - ۶۶

شوق کو آسرا ملے نہ ملے کوئی درد آشنا ملے نہ ملے
میری منزل مری نگاہ میں ہے مجھ کو اب رہنما ملے نہ ملے
ہر قدم پر ہے سجدہ ریز جبیں راہ میں نقش پا ملے نہ ملے
دیدہ و دل کی تشنگی نہ گئی ایسے ملنے سے کیا ملے نہ ملے
ہے شب غم نظر فروز مجھے اب پیام ضیا ملے نہ ملے
دل نشیں ہے مرا صنم زاہد تجھ کو تیرا خدا ملے نہ ملے

عاشقی ہے شعار زیست سرور
حاصل مدعا ملے نہ ملے

۲۰-۹-۶۶

تڑپ تڑپ کے محبت میں دن گذار چلے
لگا کے جان کی بازی بھی ان سے ہار چلے

غمِ فراق کو کوئی بھی آسرا تو ملے
کوئی تو حد ہو کہاں تک یہ انتظار چلے

وفورِ شوق کی مجبوریاں معاذ اللہ
کہ اپنے دل پہ بھی اپنا نہ اختیار چلے

نظر میں رنگِ تبسم لیے ہوئے تھے سرور
خزاں جو سامنے آئی تو سوگوار چلے!

۲۸ · ۸ · ۶۷

جوش پر آ گئی پھر شوق کی دیوانہ روی
پھر وہی کوچۂ جاناں وہی دریوزہ گری

ایک مدت ہوئی دل کا وہی عالم ہے ہنوز
جانے کیا کر گئی اس شوخ کی جادو نظری

کوئی بھی دل کی تمنا کبھی پوری نہ ہوئی
میری قسمت تھی دعاؤں کی یہی بے اثری

اس جفا کیش کو احساسِ ندامت نہ ہوا
پھانس جو دل میں چبھی تھی وہ کھٹکتی ہی رہی

گردشِ چرخ بدلتی رہی دنیا کا مزاج!
فطرتِ حسن و محبت کبھی بدلی نہ گئی

داغِ فرقت کے بہت دل میں چھپائے تھے ثرؔ
پردہ در ہو گئی لیکن مری آشفتہ سری!

جفا کو لطف کہوں درد کو سلام کروں
حریمِ ناز میں کس کس کا احترام کروں

یہی ہے اصلِ محبت یہی طریقت ہے
کہ فیضِ دردِ محبت جہاں میں عام کروں

ملی ہے روزِ ازل سے حیاتِ پا بہ سفر
نہیں ہے جب کوئی منزل کہاں قیام کروں

جنونِ شوق کے شام و سحر وہی ہیں ابھی
کہیں سے چھیڑ دوں قصہ کہیں تمام کروں

غمِ حیات کی شدت کا اقتضا ہے یہی
ملے جو غم بھی یہاں ہنس کے صرفِ جام کروں

سرورؔ منزلِ جاناں کا عزم حق ہے مگر!
سفر کے واسطے کوئی تو اہتمام کروں

۵۰۵۰۶۸

بے نیازِ غم ہر سود و زیاں بیٹھے ہیں
جانے یہ کون سی منزل ہے کہاں بیٹھے ہیں؟

بے خودی حد سے جو گذری ہے تو اب ہوش نہیں
کس کو ہم ڈھونڈھنے نکلے تھے کہاں بیٹھے ہیں

نگہِ ناز کے مارے ہوئے دیدار طلب
دیر سے دل میں لیے دردِ نہاں بیٹھے ہیں

دیر سے اُن کو غرض ہے نہ حرم سے مطلب
رہ روِ عشق سرِ کوئے بتاں بیٹھے ہیں

چشمِ ساقی سے چلے ہو کے جو سرشارِ سرور
میکدے رقص میں ہیں اب وہ جہاں بیٹھے ہیں

۲۷۰۵۰۶۸

ہمیں نے دشتِ نوردی کی آرزو کی تھی
ہمیں نے زلفِ پریشاں سے گفتگو کی تھی

اُسی کی رنجشِ بے جا کے ہم شکار ہوئے
سمجھ کے صاحبِ دل جس کی آرزو کی تھی

نہ چارۂ دلِ صد چاک ہو سکا ممکن!
فضول اس کے لیے زحمتِ رفو کی تھی

کسی کے خونِ تمنّا کی تھی جھلک جس میں
وہ چھینٹ آپ کے دامن پہ کیا لہو کی تھی؟

بس اس قصور پہ اُن کی نظر پھری ہے مُنوّر
جلا کے شمعِ وفا اُن کے رُو برُو کی تھی!

بابو آنند کمار جین ایڈوکیٹ

'سرور عرفانی'

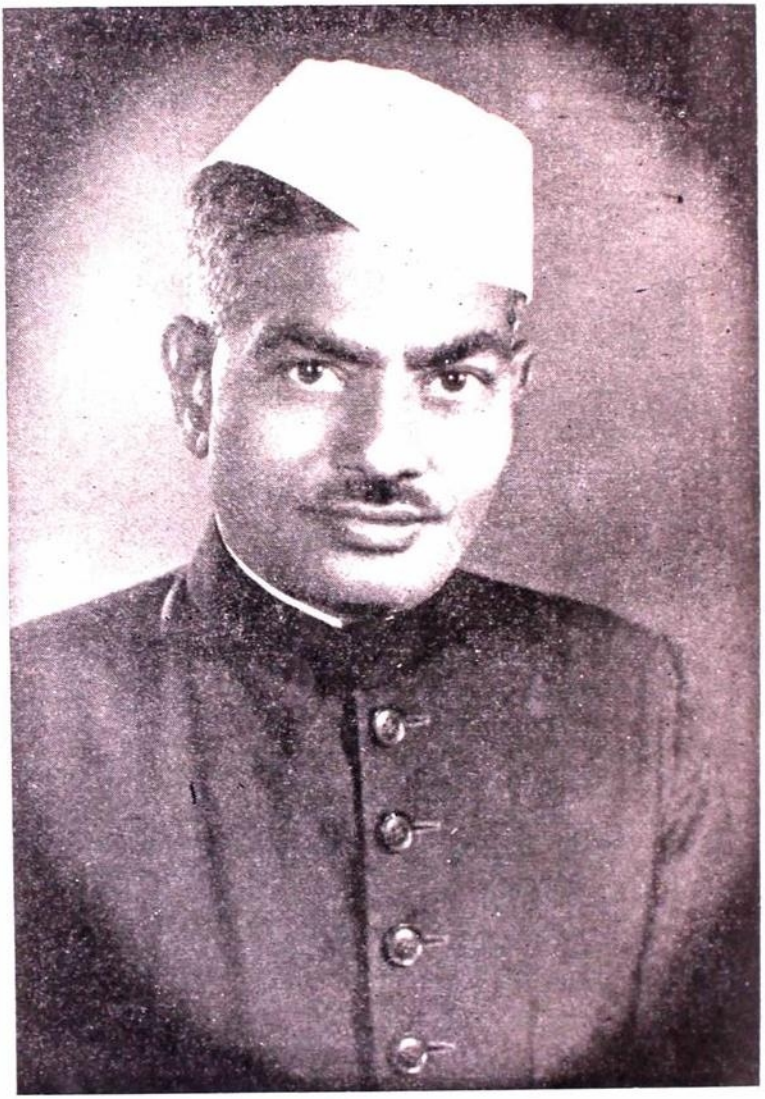

बाबू आनन्द कुमार जैन (एडवोकेट)

'सहर इरफानी'

چین دل کو ذرا نہیں ملتا
غم بھی راحت فزا نہیں ملتا

اُن کی نظروں سے ہم جو دور ہوئے
اب کہیں آسرا نہیں ملتا

دل جو اپنا ہوا ہے اب خاموش
کوئی نغمہ سرا نہیں ملتا

یوں تو کہنے کو غم گسار بہت
کوئی غم آشنا نہیں ملتا

ہم اُنھیں ڈھونڈنے چلے تھے سعدؔ
اب تو اپنا پتا نہیں ملتا

ہر چند کہ پیمانِ وفا توڑ گئے ہیں
ہم اب بھی وہیں ہیں وہ جہاں چھوڑ گئے ہیں

کل تک جنھیں دعویٰ تھا محبت کا وفا کا
آج اپنے ہی وعدوں سے وہ منھ موڑ گئے ہیں

اے کاش کوئی جا کے انھیں یاد دلائے
یہ رشتۂ الفت جو وہ خود جوڑ گئے ہیں

یہ عشق کا کوچہ ہے قدم سوچ کے رکھنا
کتنے ہی یہاں آئے ہیں دل چھوڑ گئے ہیں

روشن ہیں سرِ راہ بھی وہ راہیں کہ جہاں ہم
گذرے ہیں تو کچھ نقشِ قدم چھوڑ گئے ہیں

۳۰۳۰۶۷

ہجومِ درد و غم میں دل کو بہلائے نہیں بنتی!
طبیعت جب الجھتی ہو تو سلجھائے نہیں بنتی
اُٹھے ہیں بارہا یہ کہہ کے اچھا اب نہ آئیں گے
کچھ ایسی دل پہ آ بنتی ہے بن جائے نہیں بنتی
کچھ ایسا بے خودی کی عشرتوں نے گھیر رکھا ہے
دلِ راحت طلب کو ہوش میں آئے نہیں بنتی
سرور آئی اجل سننے کو جب کچھ ہوش کی باتیں
تو کچھ ہوش و خرد کو فکر فرمائے نہیں بنتی

۲۲۰۱۰۶۰

جھلک رہا ہے کرم بے رُخی کے دامن میں
چُھپا ہے نورِ سحر تیرگی کے دامن میں

خلوصِ شوق نے منزل کی رہ بری کی ہے
جہاں پڑی ہے شکن زندگی کے دامن میں

جہانِ غم میں مسرت ہے اک فریب خیال
ہزار غم ہیں نہاں ہر خوشی کے دامن میں

حیات کیا ہے سراپا نوشتۂ تقدیر
میں جی رہا ہوں مگر بے کسی کے دامن میں

کبھی جو تیرے تصوّر میں کھو گیا ہوں میں!
ملا ہے رازِ خودی بیخودی کے دامن میں

غمِ حیات کا سایہ نہ پڑ سکے گا مسرور
نشاطِ زیست ملی ہے کسی کے دامن میں

۳۱۰۵۰۶۶

اس آرزو کا نہیں ہوں قائل جو دل کو خانہ خراب کر دے
مجھے ضرورت ہی اُس جنوں کی جو حُسن کو بے نقاب کر دے

حیات جس کو سمجھ لیا ہے وہ موت کا نام مضطرب ہے
حسین تر اُس موت کا تصور جو دل کو بے اضطراب کر دے

خودی کو اپنی بھلا کے جو دل کسی تصوّر میں کھو گیا ہو
خرد سے آگے ہی اُس کی منزل جنوں جسے ہوشیاب کر دے

یہ عشق ہے، کفر ہے نہ ایماں، تو پھر حرم کیا صنم کدہ کیا
مکاں بھی ہو لامکاں نمایاں نظر کو جب فیض یاب کر دے

سرور کھولی جو چشمِ بینا خودی میں آئی نظر خدائی
کمالِ خود آگہی یہی ہے کہ ذرّہ کو آفتاب کر دے

جو راہِ عشق مری راہِ عام ہی رہتی
تو جستجوئے جنوں ناتمام ہی رہتی

ملی نہ ہوتی جو پیرِ مغاں سے اپنی نظر
تو تشنگی مری محرومِ جام ہی رہتی

ترا تصوّرِ روشن اگر نہ مل جاتا
تو ساری عمر یہ تاریک شام ہی رہتی

بڑے ہی پیار سے اپنا لیا ہے اس نے مجھے
حیات ورنہ مری تشنہ کام ہی رہتی

سرورؔ بادۂ عرفاں کا یہ تصدق ہے
نہیں تو فکر حلال و حرام ہی رہتی

۲۲۰۱۱۰۶۴

خدا شناس تو وارفتۂ جنوں ٹھہرے
خرد پتہ نہیں کس جا ترا فسوں ٹھہرے

اُٹھے جو ہمتِ تخلیقِ مہر و ماہ لیے
نہ پیشِ گردشِ افلاکِ نیلگوں ٹھہرے

فنا کی گود میں ہے مضطرب حیاتِ بشر
کبھی چراغ ہوا میں نہ پُرسکوں ٹھہرے

سرورِ عالمِ بالا میں سرفراز ہوئے
جو آستانۂ عرفاں پہ سرنگوں ٹھہرے

۲۰۹۰۶۴

عالم ہے اک بساطِ فریبِ نظر مجھے
ممکن نہیں ہے پھر بھی جہاں سے مفر مجھے

ہوتی نہ زیست اس طرح پامال و تشنہ کام
زعمِ خرد فریب نہ دیتا اگر مجھے

دنیائے رنگ و بو میں جو کھویا گیا ہے دل
پھرتی ہی فکرِ زیست لیے دربدر مجھے

پھر سوز و سازِ عشق نے لی میکدے کی راہ
دیر و حرم کی جب نہ ملی رہگذر مجھے

اے عشق شمعِ غم کی ذرا لو بڑھائے چل
کرنی ہے تیرگیِ شبِ ہجر سر مجھے

کیف و سرورِ بادۂ بے رنگ و بو میں اب
ہے آرزوئے زیست نہ تیغِ دگر مجھے

۲۵ - ۵ - ۰۵

جذبۂ شوق فسوں ساز کہاں سے لاؤں!
اب وہ جولانیٔ آغاز کہاں سے لاؤں
وہ ادائے پرِ پرواز کہاں سے لاؤں
قوتِ بازوئے شہباز کہاں سے لاؤں
اب وہ نظارۂ رقصِ گلفام کہاں
صحبتِ شب کے وہ انداز کہاں سے لاؤں
اب نیا طرزِ ترنم ہے نئی طرزِ حیات
عہدِ ماضی کے وہ اب ساز کہاں سے لاؤں
اِک نئی روحِ عیاں ہو مرے قالب میں سرور
ابنِ مریم کا وہ اعجاز کہاں سے لاؤں

۶۵-۷-۷

جستجوئے شوق میں وہ بھی مقام آئے کبھی
حیرتِ نظارہ تھی پیہم نظر کی تشنگی

حسن خود بے تاب ہے رُخ سے اُلٹنے کو نقاب
بے اثر ہرگز نہیں یہ عشق کی وارفتگی

دل کی بے تابی کا باعث تھی تمنائے سکوں
جب تمنا چھوڑ دی حاصل ہوئی آسودگی

کھل گئے اسرارِ ہستی مل گئی راہِ نشاط
جب سرورِ جامِ عرفاں نے عطا کی آگہی

۴۰-۱۱-۶۵

تعارف

بابو آنند کمار صاحب جین ۴ ستمبر ۱۹۰۹ء کو رام پور کے ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئے۔ ۱۲ سال کی عمر تھی کہ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ لیکن آپ نے اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھا اور پورے عزم و استقلال کے ساتھ زندگی کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کی ٹھان لی۔ وہ زندگی کے کسی شعبے میں ناکام نہیں رہے۔ بلکہ اپنی غیر معمولی قوت ارادی اور قدرت کی مہربانی سے وہ ہر جگہ نیک نام اور کامیاب رہے۔

اسٹیٹ ہائی اسکول رام پور اور ایس۔ ایم کالج چندوسی میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد سنہ [illegible]ء میں ہائی کورٹ رام پور کے امتحان وکالت میں شریک ہوئے۔ اور نمایاں کامیابی حاصل کر کے پریکٹس شروع کر دی۔ چند سال میں اپنی انتھک محنت اور خداداد صلاحیتوں کی بنا پر ان کا شمار ضلع کے صف اول کے وکلاء میں ہونے لگا۔ فردوس مکیں نواب سر سید رضا علی خاں والیٔ رام پور نے آپ کو ۱۹۴۵ء میں مجسٹریٹ درجہ اول کے عہدے پر فائز کیا۔ لیکن ۱۹۴۷ء میں آپ نے استعفیٰ دے کر دوبارہ وکالت شروع کر دی۔

سرِ کف جب بھی سزاوارِ ستم آتے ہیں
حسنِ محبوب سے پیغامِ کرم آتے ہیں

دیکھنا شعبدۂ رقصِ نگاہِ ساقی
آج میخانہ میں واعظ کے قدم آتے ہیں

یہ تری بزم کہ ہے جس میں حریفوں کا ہجوم
ہو گئے دل سے ہی مجبور جو ہم آتے ہیں

ٹھیر اے گردشِ ایام ذرا سوچ تو لوں
زلفِ ہستی میں نظر کیسے یہ خم آتے ہیں

جن کو ملتی نہیں بت خانے میں تنویر تری
وہی دیوانے ترے سوئے حرم آتے ہیں

ہے عجب کیف کا عالم یہ محبت کا سرور
اب مرے پاس کہاں فکر و الم آتے ہیں

۱۳-۱-۶۵

نئی راہیں بناتا جا رہا ہوں
جُنوں کو آزماتا جا رہا ہوں

اسی کا نام ہے شاید جنوں بھی
کہ غم میں مُسکراتا جا رہا ہوں

اُمنڈ آتے ہیں آنسو ہر قدم پر
مگر میں مُسکراتا جا رہا ہوں

نظر آتی ہیں جو تاریک راہیں
انھیں روشن بناتا جا رہا ہوں

سُرورِ بادۂ عرفاں سلامت
ہر اک پردہ اُٹھاتا جا رہا ہوں

۲۷۔۱۱۔۶۵

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

سلسلہ حسنِ تغافل کا وفا ہے یہ بھی
مجھ کو معراجِ محبت کی عطا ہے یہ بھی

دل تپِ غم سے دہکتا ہے آنسو نہیں
آہ کبھی لب پہ جو آئی تو خطا ہے یہ بھی

حُسن خود پردۂ محمل سے نکل آتا ہے
ہم نے اعجازِ محبت کا سُنا ہے یہ بھی

حق پرستی کی سزا دار و رسن تک پہونچی
"عدل ایماں" کا عجب دور رہا ہے یہ بھی

اب تو آنکھوں سے چھلکتا ہے محبت کا سرور
شدتِ دردِ محبت کا صلا ہے یہ بھی

۱۲ ۰ ۱۲ ۰ ۶۴

وہ یوں مری نظر میں سماتے چلے گئے
پیہم تصورات پہ چھاتے چلے گئے
ان کی عطائے شوقِ تجلّی کے ساتھ ساتھ
ہم قصّۂ حیات بُھلاتے چلے گئے
رقصاں رہی انھیں کے اشاروں پہ زندگی
ہم عقل و ہوش اُن پہ لُٹاتے چلے گئے
اُن کی وفا کا دل میں تصوّر لیے سُرور
ہم داستانِ شوق سُناتے چلے گئے

۹۰۱۰۶۶

۱۰۲۰۰۴۴

سوائے اک ذوقِ جستجو کے مرا کوئی مدعا نہیں ہے
میں خود ہی منزل ہوں خود ہی رہرو مرا کوئی رہنما نہیں ہے

یہ بزمِ خورشید و ماہ و انجم بساطِ حدِ نظر ہے لیکن
جہاں مرا عشق گامزن ہے خرد بھی عقدہ کشا نہیں ہے

شکستِ دل سازِ زندگی ہے تو سوزِ پیہم ہے اک نوازش
وہ کیا سمجھ پائے رازِ الفت جو دل کہیں مبتلا نہیں ہے

یہ کفر و ایماں کی بند مسلسل یہ دیر و کعبہ میں حدِ فاصل
مگر کوئی مجھ کو یہ بتلائے کہ ان میں کس کا خدا نہیں ہے

جو دل کا پردہ اٹھا کے دیکھا تو جلوۂ نور موج زن تھا
مگر مری بیخودی کا عالم کہ آپ اپنا پتا نہیں ہے

صدائیں پیہم یہ سن رہا ہوں پکارتی ہے مجھے بھی منزل
سرور اب کس مقام پر ہوں یہ راز اب تک کھلا نہیں ہے

تو قیدِ آرزو ہے بیگانگی جہاں سے
"دستِ سوال میرا اونچا ہے آسماں سے"
خود منتظر ہیں راہیں تکمیلِ آرزو کی!
آوازِ آرہی ہے منزل کے ہر نشاں سے
پابندیِ قفس ہے پاداشِ زندگانی
وابستگی غم ہے اس ربطِ جسم و جاں سے
محبوس ہے صدف میں تابندگیٔ قطرہ
گوہر بنے جو نکلے اس ظلمت گراں سے
تکمیلِ معرفت ہے تعبیرِ خود شناسی
پائی ہے یہ حقیقت ارباب نکتہ داں سے
تقدیر سے ملا ہے فیضِ سرورِ عرفاں
عالم ہے اور ہوگا جب ہم چلے یہاں سے

۲۶۰۱۲ ۰۶۴

ملا ہے دشت نوردی سے یہ وقار مجھے
چمن سے ڈھونڈھنے نکلی ہے خود بہار مجھے

کبھی طوافِ بیاباں کبھی طوافِ چمن
کشاں کشاں لیے پھرتی ہے یادِ یار مجھے

غبارِ آئینۂ دل اُڑا رہا ہوں میں،
سمجھ لیا ہے زمانے نے خاکسار مجھے

مجھے وہ دورِ تمنا کوئی نہ یاد دلائے
کہ اب وہ دل ہے نہ اب دل پہ اختیار مجھے

وفورِ شوق میں آنکھیں لگی ہوئی ہیں سرورؔ
کہ ہے نقاب اُلٹنے کا انتظار مجھے

رشتۂ غم ہے مسلسل میری تقدیر کے ساتھ
میں نے کھولی تھی زباں نالۂ دلگیر کے ساتھ

ہے بہاروں کو حریفانہ تعلق مجھ سے
فصلِ گل آتی ہے میرے لئے زنجیر کے ساتھ

بلبلہ سا اک اٹھا بحر سے اور پھوٹ گیا
زندگی موجِ رواں ہے اسی تفسیر کے ساتھ

درد دل جس نے دیا درد کا درماں ہے وہی
چارہ گر اس سے ملا دے کسی تدبیر کے ساتھ

ہے شکستِ دلِ مضطر ہی سے توقیرِ جنوں!
چشمِ ساقی ہے دلِ تشنۂ تعمیر کے ساتھ!

ہے تصور ہی سرانجام غمِ عشق سرور
جس کی تکمیل ہے اس درد کی تاثیر کے ساتھ

۲۴۰۱۰۶۵

دل ہے کہ سوزِ غم سے ہراساں ابھی سے ہے
اے شوقِ خام وصل کا ارماں ابھی سے ہے

اُٹھی ہے پہلی بار کسی کی نگاہِ ناز!
پہلو میں سوزِ قلب کا ساماں ابھی سے ہے

لانے کو ہے پیام بہاراں نسیم صبح
جوشِ جنوں میں چاک گریباں ابھی سے ہے

اندازِ لطف کے جو تغافل میں ہیں عیاں
مجھ کو خیال تنگیٔ داماں ابھی سے ہے

شاید کہ منتظر ہے مری منزلِ حیات
اک شمع رہ گذار فروزاں ابھی سے ہے

اعجازِ شوقِ منزلِ عرفاں نہ پوچھیے!
کیفیتِ سرورِ نمایاں ابھی سے ہے

۱۹۴۷ء ہی میں رامپور میں آئینی اصلاحات کے تحت پہلی عوامی گورنمنٹ
کا قیام عمل میں آیا۔ آپ بھاری اکثریت سے ایم ایل اے منتخب ہوئے اور
ریونیو منسٹر کا عہدہ تفویض ہوا۔ اور ۱۹۴۹ء یعنی الحاق ریاست کے وقت
تک اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔

۱۹۵۰ء سے پھر وکالت شروع کردی اور آخر وقت تک یہ سلسلہ قائم رہا۔
آپ کو بار ایسوسی ایشن میں جو ہر دلعزیزی حاصل تھی اسی کا نتیجہ تھا کہ کئی مرتبہ آپ
صدر منتخب ہوئے۔

۱۹۶۱ء میں ضلع کے سب سے بڑے عوامی اور سماجی بہبود کے مرکزی
ادارہ ضلع پریشد کے انتخاب کے موقع پر احباب نے اصرار کیا اور آپ چیرمینی
کے امیدوار ہوگئے۔ اس مقابلہ میں آپ کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی اور
کئی سال تک بیش بہا خدمات انجام دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے
شہر کے کئی تعلیمی و سماجی اداروں کی بنیاد قائم کی، اور اپنی خداداد لگن اور
سرمایہ سے ان کو زندگی بخشی۔ جن میں کنیا ودیالیہ ہائی اسکول اور حسین انٹر کالج
سرفہرست ہیں۔

بابوجی کو اردو ہندی شعر و ادب اور تصوف سے خاص لگاؤ تھا۔ وہ اپنی
رہن سہن، وضع قطع کی بنا پر ہندو مسلم تہذیب کے صحیح علمبردار تھے۔ ادبی محفلوں
میں برابر شریک ہوتے۔ قدرت نے ان کی ہر خواہش کو پورا کیا۔ اگر شاعر نہ تھے
تو یہ کمی بھی پوری ہو گئی۔ اچانک ۵۵ برس کی عمر میں ۲۰ نومبر ۱۹۶۴ء کی ایک
صبح کو جب وہ بیدار ہوئے تو شاعر تھے۔ احباب کو تعجب ہوا۔ بابو رتن بہاری لال

کیا وہ منظر تھا اُس کی انگڑائی
رقص کرتی ہو جیسے رعنائی
وہ قیامت تھی اس کی ایک نظر
کہ مری جان پر ہی بن آئی
دردِ دل اپنا کام کر کے رہا
کام آئی نہ کچھ مسیحائی!
غم نے چھوڑا نہ ساتھ دم بھر بھی
میں نے ڈھونڈی تھی شامِ تنہائی
کیا کسی سے ہو اب امید سرور
بندگی بھی نہ سازگار آئی!

۱۷۰۲۰۶۵

یوں اشکِ غمِ تبسّمِ لب میں سمو لیے
جیسے کسی نے پھول چمن میں بو لیے

عمرِ دراز یوں ہی تمنا میں کٹ گئی
کچھ دیر سوچتے رہے کچھ دیر رو لیے

زنجیر دیکھ کر دلِ وحشی بھڑک نہ جائے
للّٰلہ آپ گیسوئے پیچاں نہ کھو لیے

پھر آرزوئے دل کہیں بیدار ہو نہ جائے
مشکل سے نیند آئی ہے آہستہ بو لیے

باقی ہیں زیست کے تو بہت مرحلے سروشؔ
اور ہم کبھی کے زیست سے بیزار ہو لیے

کیا ہے کس طرح دنیا نے اہتمامِ حیات
مجھے تو ساغر و مینا ہیں احتشامِ حیات

عجب طلسم کدہ ہے یہ عالمِ فانی
عجب فریبِ نظر ہے یہ سب نظامِ حیات

وہ بندگی کو ہی سمجھے ہیں زندگی شاید
جنھیں شعورِ نظر ہے نہ احترامِ حیات

اسیرِ جسم کو پرواز کی جو راہ ملی !
فلک نے اس کو دیا اک نیا پیامِ حیات

سرورؔ منزلِ عرفاں ہے عالمِ آرائی
فنائے شوق ہے انجامِ التزامِ حیات

۲۷۰۱۱۰۶۴

یہ حکم ہے کہ کبھی اصل ماجرا نہ کہوں
فریب کھاؤں مگر اُن کو بے وفا نہ کہوں

ہے اُن کے طرزِ تغافل میں اِک پیامِ کرم
اِس اعتماد کو کیوں غیب کی صدا نہ کہوں

ازل سے کس طرح رقصاں ہے بیخودی میں حیات
کبھی جو ہوش میں آؤں تو یہ فنا نہ کہوں

ہے جب خزاں ہی نمودِ بہار کا باعث
تو کیوں حیات کو پروردۂ فنا نہ کہوں؟

ملی ہے مجھ کو بہاروں سے راہِ دشتِ جنوں
اسے بھی بختِ رسا کیوں تری ادا نہ کہوں

ہے جب اُسی کے اشاروں پہ مرگ و زیست سرور
تو مرگ و زیست کو میں اُن کی کیوں ادا نہ کہوں

ندا آئی مجھے یہ آسماں سے
کہ شانِ زیست ہے ترکِ جہاں سے

تلاشِ سیم و زر ہے خود فریبی
گئے ہیں ہاتھ خالی سب یہاں سے

غمِ دل ہی تو ہے معراجِ ہستی
گذرنا ہے اسی اک امتحاں سے

کرم موقوف ہے حسنِ طلب پر
خلوصِ دل کو نسبت ہو زباں سے

جو دردِ عشق اپنی ضد پہ آئے
فلک بھی کانپ اُٹھے گا فغاں سے

سرورؔ اب روز بڑھتا جا رہا ہو
نظر ایسی ملی پیرِ مغاں سے

۴۰۱۲۰۶۴

عمر بھر جور و ستم کی داستاں کہتے رہے
اک خلا نکلا جسے ہم آسماں کہتے رہے

چاک دامانی گل پر بلبلیں تھیں نوحہ خواں
اور ہم اُس کو بہارِ گلستاں کہتے رہے

اپنی از خود رفتگی کو دے دیا نامِ خرد
ہوش مندی کو جنونِ رائیگاں کہتے رہے

شاعرانِ وقت مخمورِ تغزل ہیں سرورؔ
ہم مگر اب بھی زبانِ چیستاں کہتے رہے

تڑپا رہا ہے پھر وہی دردِ نہاں مجھے!
یاد آ رہی ہیں پھر مری مجبوریاں مجھے

سینچا تھا جس چمن کو اسی پر گراں ہوں میں
حسرت سے تک رہا ہے مرا آشیاں مجھے

کب سے بھٹک رہا ہے یونہی کاروانِ زیست
ملتی نہیں کہیں بھی جہاں میں اماں مجھے

میری ہوس کو بڑھ کے ٹھکانا نہ تھا کہیں!
رحمت کہوں ملی ہیں جو محرومیاں مجھے

وہ دل رہا نہ دل میں ہیں وہ ولولے سرور
کیوں دیکھتا ہے قہر سے اب آسماں مجھے

۱۳-۷-۶۶

نیرنگیٔ گلزارِ جہاں دیکھ رہا ہوں
ہر گل میں نیا داغِ عیاں دیکھ رہا ہوں

اللہ رے غمناکیٔ دورِ سحر و شام
ہر شخص کو آشفتہ بیاں دیکھ رہا ہوں

تھی زینتِ محفل بھی دل آویز بھی کل تک
محفل پہ جنھیں آج گراں دیکھ رہا ہوں

کعبے کی طرف جاؤں کہ بتخانہ کی جانب
ہر راہ میں اُن کے ہی نشاں دیکھ رہا ہوں

اک حُسنِ سراب مری آنکھوں میں نہاں ہے
کیا جانے تصوّر میں کہاں دیکھ رہا ہوں

۹۰۶۰۶۸

جو اُن سے ارتباطِ زندگی ہے
تو پھر ہر غم نشاطِ زندگی ہے

جہاں دورِ تمنا ختم ہو جائے
وہیں حدِّ نشاطِ زندگی ہے

نہ ہو دامن بھی تر بحرِ جہاں میں!
یہ عرفانِ صراطِ زندگی ہے

فنا جس کو حیاتِ جاوداں دے
کمالِ احتیاطِ زندگی ہے

سمٹ کر آگئی ہے دل میں دنیا
یہ شانِ انبساطِ زندگی ہے

سرورؔ اب ہوش کے عالم میں آؤ
کہ دورِ انحطاطِ زندگی ہے

۳۳۰۱۰۰۴۴

آغازِ محبّت ہی میں کھائے ہیں وہ دھوکے
بیٹھے ہیں کنارے پہ سفینے کو ڈبو کے

بے تابیِ دل بزم میں پھر لے تو چلی ہے
ایسا نہ ہو کوئی ہمیں پہچان کے ٹوکے

ہر بار وہ کچھ کہہ کے بندھاتے رہے امید
ہم عمر بھر اُن سے یونہی کھاتے رہے دھوکے

وہ راز جو مدّت سے اُن آنکھوں میں نہاں تھی
سونپے ہیں مجھے اب مرے دامن کو بھگو کے

کیا جانے سرور اُن کا کوئی ظرفِ محبّت
بیٹھے ہیں جو اشکوں میں تبسّم کو سمو کے

۱۹۰۶۰۶۸

ایڈووکیٹ نے آنند کی رعایت سے سرور تخلص تجویز کیا۔ بابو جی نے اپنے پیر و مرشد سید عرفان شاہ صاحبؒ کی نسبت سے سرور عرفانی کر لیا۔ اور اپنے مجموعۂ کلام کا نام "بادۂ عرفاں" تجویز کیا۔ اگرچہ وہ از راہِ محبت خاکسار کو اپنا استاد کہتے تھے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ شاعرانہ رموز اور فن کی باریکیاں سمجھنے کے لیے بابو جی کو جناب سید رفیع الدین صاحب سالک رحمانی ڈسٹرکٹ جج، محشر عنائتی، عروج زیدی، جلیل نعمانی جیسے بزرگوں کی رہنمائی بھی حاصل رہی۔

افسوس ہے کہ کینسر کے موذی مرض نے بابو جی کو ہم سے ۱۶ نومبر ۱۹۶۹ء کو چھین لیا۔ پس ماندگان میں دو لڑکے رمیش کمار جین، برمود کمار جین اور ایک صاحبزادی ہیں۔

جانے والے کبھی نہیں آتے
جانے والوں کی یاد آتی ہے

شبیر علی خاں شکیبؔ
ایڈووکیٹ

۱۲ر نومبر ۱۹۶۹ء

جھلکتی ہے جنوں میں اک نئی تقدیر کی صورت
مری تخریب میں مضمر ہے اک تعمیر کی صورت

رہینِ بادۂ غم ہی رہی عمرِ رواں میری
نہ بدلی وقت نے میرے غمِ دل گیر کی صورت

دلِ ناداں کو اُلجھاتے رہے یوں گیسوئے دوراں
کہ دورِ زندگی ہی بن گیا زنجیر کی صورت

خوشا برقِ تپاں یوں خرمنِ دل پر لوازش ہو
کہ ہر ارمانِ دل کی خاک ہو اکسیر کی صورت

سرورِ وصل جو اک خوابِ تسکین تمنا ہے
نظر کو چاہیے اس خواب کی تعبیر کی صورت

۴۰۲۰۶۵

آنکھوں میں سہانے خواب لیے پھر دل میں کسی کی یاد آئی
گذری تھی کسی کے ساتھ کبھی وہ شام سہانی یاد آئی

پھر وحشت نے انگڑائی لی، پھر دردِ محبت جاگ اٹھا
احساس شکستِ دل کو کیا پیمانِ وفا کی یاد آئی

ہم بھی ہیں وہی، غم بھی ہیں وہی، حسرت بھی وہی، ارماں بھی وہی
جب درد نے چھیڑا ساز کہیں اپنی ہی غزل کی یاد آئی

اربابِ خرد کو پھول ملے، ہم اہلِ جنوں کو خار ملے
ہر گام پہ گلشنِ ہستی میں فطرت کی دورنگی یاد آئی

تدبیرِ مسلسل نے اکثر راحت کی نئی راہیں کھولیں
راحت جو سرور ملی ہم کو اس وقت غموں کی یاد آئی

چاندنی آگ بن کے آئی ہے
شامِ فرقت تری دہائی ہے

جب کبھی دل نے چوٹ کھائی ہے
زندگی ایک رنگ لائی ہے

اپنا غم رہنے دیجیے دل میں
عمر بھر کی یہی کمائی ہے

بے خودی میں سکوں تو ملتا تھا
آگہی درد بن کے آئی ہے

غم میں حاصل ہے جس کو لطفِ سرور
راہِ منزل اسی نے پائی ہے

۳۴ ۔ ۹ ۔ ۷۶

اتنے فریب کھائے ہیں رنگ بہار سے
نفرت سی ہو گئی ہے دلِ ہرزہ کار سے

دامانِ غم ہے ایک نئی جستجوئے غم
ہے انبساطِ زیست غمِ روزگار سے

ٹکرائی حادثات سے جب کشتیٔ حیات
بے بس تھے دیکھتے رہے بے اختیار سے

اُس تیرِ بے کماں کی حکایات خوں چکاں
سنتا ہوں بار بار دلِ بے قرار سے!

اک بزمِ حسن خاص ہے جولاں گہِ سرور
پائی تھی جس کی راہ کسی پردہ دار سے

لذّتِ غم کی انتہا کے لیے
جی رہا ہوں تری جفا کے لیے

برہمیِ نگاہِ ناز نہ پوچھ
ہاتھ اُٹھے تھے التجا کے لیے

مجھ کو ٹھکرا دیا تو میرے بعد
وہ بھی ترسا کیے وفا کے لیے

بڑھ گیا اور ان کا نازِ خرام
میں نے لوٹے جو نقشِ پا کے لیے

نہ سہی جامِ مے جواب تو دے
اِک ذرا دیکھ لے خدا کے لیے

مجھ کو عرفاں عطا کرے جو سرور
منتظر ہوں اب اس ادا کے لیے

۲۳۰۵۰۶۶

کبھی خزاں ہوں، کبھی عالمِ بہار ہوں میں
طلسم کاریِ احساس کا شکار ہوں میں
اک اضطراب مسلسل ہی زندگی کا فسوں
تلاشِ راحتِ پیہم میں بیقرار ہوں میں
نہیں ہے شکوۂ ناکامیِ حیات مجھے
کہ آپ اپنے مقدّر کا کردگار ہوں میں
سکونِ منزلِ عرفاں کی آرزو ہی سرور
اب اُن کی چشمِ کرم کا امیدوار ہوں میں

۱۰۵۰۶۶

کچھ ہے عجب مزاج دلِ بے قرار بھی
ہے مائلِ خطا بھی ندامت شعار بھی

اُن کے فریبِ وعدہ سے ناآشنا نہ تھے
کرنا پڑا انھیں کا مگر اعتبار بھی

آزردہ خزاں ہی رہا گلشنِ امید
مُنہ پھیر کر گئی ہے اُدھر سے بہار بھی

سرمستیِ جنوں بھی نہیں بے سبب سرور
ہے اضطرابِ شوق کا حاصل قرار بھی

۲۲۰۱۰۹۶

نہیں کہ اُن کی وفاؤں کا اعتبار نہیں
وفائے شوق کو مقدورِ انتظار نہیں

وہ دل ہی کیا کہ جسے سوزِ غم عطا نہ ہوا
وہ آنکھ کیا جو محبّت میں اشکبار نہیں

نیازِ عشق کو ہے آرزوئے رفعتِ شوق
جو آسمان کو تکتے ہیں خاکسار نہیں!

مرے جنوں کو حقارت سے دیکھنے والو
مری نگاہ میں دنیا کا کچھ وقار نہیں

سرورِ شعر و سخن ہے رہینِ اُنسِ شکیبؔ
اگرچہ شاعری ہر گز مرا شعار نہیں

سوزِ دل و جگر بھی تبسّم بھی آہ بھی!
کیا کیا کرشمہ ساز ہے ان کی نگاہ بھی
آنکھوں میں اشک لب پہ فغاں دل میں دھڑکنیں
اکثر انھیں سی شوق نے پائی ہے راہ بھی
رنگِ سرور اور کھلے اے نگاہِ ناز
دل پر ہو التفات اگر گاہ گاہ بھی

۲۷۰۷۰۶۷

دل کو جو اجتناب ہوا ہے کبھی کبھی
خود حسن بے نقاب ہوا ہے کبھی کبھی

حسنِ طلب سے عشق بھی محبوب بن گیا
ایسا بھی انقلاب ہوا ہے کبھی کبھی

رحمت سے اور بڑھ گئی کچھ تشنگیِ شوق
اپنا تو یہ حساب ہوا ہے کبھی کبھی

تقویٰ حضورِ ساقیِ میخانہ ٹوٹ کر
غرقِ شرابِ ناب ہوا ہے کبھی کبھی

ان کے کرم کے بھی عجب انداز ہیں سرورؔ!
دل غم سے فیض یاب ہوا ہے کبھی کبھی

۶۶-۲۰۲

تقریب

(مولانا امتیاز علی خاں صاحب عرشی)

بابو انند کمار جین رام پور کے وکلاء میں مخصوص مقام کے مالک تھے۔ میں انہیں برسوں تک اسی حیثیت سے جانتا تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ انہیں شعر و ادب سے بھی لگاؤ ہے۔ چنانچہ رام پور کی ادبی نشستوں میں سامع کے طور پر وہ اکثر موجود رہتے تھے۔ خدا بخشے میرے ماموں مولوی احمد جان خاں صاحب وکیل بھی شعر و سخن کے رسیا تھے اور کبھی جوانی میں خود بھی شاعری کرتے تھے۔ اور اثر تخلص تھا۔ آنند کمار صاحب ان کے ہم پیشہ ہونے کے ساتھ ساتھ ہم محلہ بھی تھے۔ اس لیے کبھی کبھی ماموں میاں کی نشست گاہ میں بابو جی سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ اور ان ملاقاتوں میں شعر و ادب بھی زیر بحث آتے تھے۔ اس قسم کی ملاقاتوں میں بابو انند کمار صاحب کے بارے میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ شعر فہمی کا اچھا ذوق رکھتے ہیں لیکن بات اسی حد تک تھی۔

چند برس ہوئے مجھے ایک دوست نے بتایا کہ بابو جی نے شعر گوئی بھی

باعثِ اضطراب ہیں دونوں
عشرت و غم عذاب ہیں دونوں

راہ پہ آئیں گے نہ دیدہ و دل
بڑے خانہ خراب ہیں دونوں

اُس نظر کا خمار دل کا سرور
کیفیاتِ شراب ہیں دونوں

ساغرِ مے ہی اُن کے پیشِ نظر
روبرو آفتاب ہیں دونوں

چین سے حُسن ہے نہ عشق سرور
غرقِ صد پیچ و تاب ہیں دونوں

۹۶۰|۰۰۹۸

فصلِ گُل اب کے جو آئی تو یہ ساماں ہوگا
کوئی پابستہ کوئی چاک گریباں ہوگا

حُسن مصروفِ تبسم ہے بظاہر شاید
داغِ دل ہر گلِ خنداں میں بھی پنہاں ہوگا

اے پرستارِ چمن! یہ بھی تصوّر میں رہے
رُت بدلتے ہی جو انجام بہاراں ہوگا

اب جو ہے ان کے تغافل پہ توجہ کا یقیں
بڑھ کے خود درد ہی کیا درد کا درماں ہوگا

ہم ہیں دنیا میں بھی دنیا سے الگ محوِ سرور
اور ہوں گے وہ جنھیں خلد کا ارماں ہوگا

۲۰۰۶۰۶۵

سکوں کی سانس کچھ تو خاطرِ برباد غم لے لے
ٹھہر اے کاوشِ دل زندگی تھوڑا سا دم لے لے

دلِ بیتاب کا نغمہ ہی شرحِ زیست ہے میری
خدایا تو مرے ہاتھوں سے یہ سازِ الم لے لے

ابھی کچھ ہوش ہے روداد منزل لکھ رہا ہوں میں
نہ جانے بیخودی کب بڑھ کے ہاتھوں سے قلم لے لے

سرورِ آسودگی چاہے تو قسمت پر قناعت کر
رہِ عشق و محبت میں متاعِ درد و غم لے لے

۱۴-۸-۶۷

احساس جدا ہے ہر دل کا غم کوئی کسی کا کیا جانے
دل سوزیِ شمع محفل کو جل کر بھی نہ جانے پروانے

اس سوزِ محبت میں جل کر گھر خاک ہوئے کیسے کیسے
ایسے بھی رہے کچھ سوختہ جاں آباد ہیں جن سے ویرانے

نیرنگ جہاں کے نظارے رنگین بھی ہیں بے کیف بھی ہیں
احساس نے اکثر بدلے ہیں خود ذوق نظر کے پیمانے

خاموش ہیں لب بھیگی پلکیں کھوئے کھوئے سے پھرتے ہیں
کس دیس کے رہنے والے ہیں کس حال میں ہیں یہ دیوانے

پھرتے ہیں سرور بزم خود تحقیق جہاں کا عزم لیے
محروم نظر جو اپنی حقیقت آپ نہ اب تک پہچانے

جو ہر ایک سانس میں ہے ترے غم کا اک ترانہ
مجھے ڈر ہے بن نہ جائے یہی درد اک فسانہ
مجھے شوق نے اُبھارا تو کسی نے خود پکارا
یہ سمندِ آرزو پر ہوا اور تازیانہ
اس ادائے بے نیازی ہی میں رازِ عافیت ہے
مجھے درس دے گئی ہے وہ نگاہِ عارفانہ
نہ خیالِ زندگی تھا نہ فنا کا خوف ہی تھا
جو ملی سرورِ منزل تو قضا تھی اک بہانہ

۱۱۰۳۰۶۶

انھیں دل دے کے درد و غم کا سودا کر لیا میں نے
اب اپنے حال پہ روتا ہوں یہ کیا کر لیا میں نے

اسے کہتے ہیں مجبوری کہ اب ان کے اشاروں پر
کبھی مرنا کبھی جینا گوارا کر لیا میں نے

یہ میرا کفر ہی زاہد! مرے ایماں کی زینت ہے
بتوں میں جلوۂ حق کا نظارا کر لیا میں نے

سرورؔ انجام دردِ عشق اس منزل پہ لے آیا
غمِ ہستی سے بھی آخر کنارا کر لیا میں نے

۱۸ - ۲ - ۶۶

جو گذری شامِ غم آئی شبِ غم
سحر اب بھی ہے کوسوں دُور ہمدم
دل اُن کی یاد سے ہو لاکھ مسرور
مگر یہ آرزوئے دیدِ پیہم
وہ تھے پیشِ نظر خاموش تھا میں
زبانِ حالِ دل تھی چشمِ پُرنم
ہوئی برباد میرے دل کی دنیا
زمانہ کیوں ہے آخر مجھ سے برہم
کبھی سمجھے نہ گُل اپنی حقیقت
یونہی روتی چلی آئی ہے شبنم
سرورؔ اب میکدے میں چل کے دیکھو
کہاں تک یہ غمِ دنیا کا ماتم

۵-۱۰-۶۵

ڈھونڈیں گے پئے سجدہ مجھے چاند ستارے
ایسے بھی رہِ شوق میں ملتے ہیں اشارے
گو طائرِ جاں اُڑنے کو پَر تول رہا ہے!
ڈرتا ہوں کہیں پھر مجھے دنیا نہ پکارے
ناکامیٔ تقدیر پہ ہنستے ہو یہ دیکھو
ہم کشمکشِ زیست سے ہمّت تو نہ ہارے
جو شمعِ رہِ شوق تھے ایسوں نے بھی اکثر
برگشتگیٔ وقت میں ڈھونڈے ہیں سہارے
تھی دل میں سرورِ آرزوئے صبحِ تجلّی
ہنس ہنس کے جو دن تیرگیٔ غم کے گزارے

میکش ہوں اور میکدہ میرا مقام ہے
تقوے کا بے سبب مرے سر اتہام ہے
لیجے وہ جھوم جھوم کے اُٹھنے لگی گھٹا
اب کون کہہ سکے گا کہ پینا حرام ہے
ساقی کے لطفِ خاص کا صدقہ ہے یہ سرور
عرفانِ عشق کیا کوئی فیضانِ عام ہے

۲۶-۱۱-۶۶

دنیا کا ہر فریبِ نظر دیکھتے رہے
حیران تھی نگاہ مگر دیکھتے رہے

تھا کیفِ مے کیساتھ ہی رنجِ خمار بھی
ہم میکدہ کے شام و سحر دیکھتے رہے

آسودگی زیست کی راہوں سے بے خبر
مجبوریِ حیاتِ بشر دیکھتے رہے

ہم کو سرورِ زیست کا جس نے دیا شعور
"عرفاںؔ" کی اُس نظر کا اثر دیکھتے رہے

۱۶-۱۲-۶۴

شروع کردی ہے، تو مجھے تعجب نہیں ہوا۔ اس لیے کہ پچھلے تاثرات کے پیشِ نظر یہ کوئی بعید بات نہ تھی۔ پھر ایک روز وہ خود میرے پاس تشریف لے آئے۔ اور انھوں نے اپنا کلام سنایا تو مجھے یہ تعجب ضرور ہوا کہ کچھ شعر و سخن کا ذوق ہو مگر جس شخص نے ابھی چند ہی غزلیں کہی ہوں، خواہ روایتی انداز ہی کی سہی، اتنے تندرست اور چست شعر کیسے کہہ سکتا ہے۔ دراصل ان کا معاملہ یہ تھا کہ انھوں نے برسوں تک خاموشی کے ساتھ قدیم شعرا کے کلام کا مطالعہ کر کے اپنے ذوق کی تربیت کی تھی۔ چونکہ طبیعت موزوں پائی تھی، اس لیے جب خود کہنے کا موقع ملا تو اشعار میں اُن قدیم شعرا، کے تجربات ان کی زبان، ان کے بیان اور ان کے خیالات خود بخود منعکس ہو گئے۔

ایک اور چیز ان کے ذوقِ شعری کو جلا بخشنے میں معاون ہوئی اور وہ تھا تصوف میں ان کا عقیدہ۔ انھیں رام پور کے ایک بزرگ سید عرفان شاہ صاحب سے بڑی عقیدت تھی اور اسی لیے انہوں نے اپنے تخلص کے ساتھ "عرفانی" کا اضافہ بھی کر لیا تھا۔ یہی بادۂ عرفاں کا سرور تھا جس نے ان کے حال کو قال اور قال کو حال بنا دیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ جین مت کے ورثہ نے بھی اپنی قلم لگائی، موکش اور نروان کے تصورات بھی ان کے کلام میں صوفیانہ اور عاشقانہ خیالات کے ساتھ نظر آتے ہیں۔

ان کی اچانک موت نے ہم سے ایک خوش ذوق و خوش فکر فرد کو چھین لیا۔ لیکن ان کی خوش ذوقی کے نمونے باقی تھے۔ مجھے اس امر کی

آندھیاں آئی ہیں گھر کر کوندتی ہیں بجلیاں!
آج شاید تاک کر آئی ہیں میرا آشیاں

کون ایسا آبلہ پا راہ سے گذرا ہے آج
دامنِ صحرا پہ آتی ہیں نظر گل کاریاں

پھونک دیں میرا نشیمن یا اُڑا دیں میری خاک
پھر بھی ہر سو رونما ہونگی مری پرچھائیاں

برق چمکی تھی یکایک آ کے سینے کے قریب
دل کے آئینے میں جھلکی ہیں عجب رعنائیاں

جب وفورِ جوشِ وحشت میں پکارا ہے سرورؔ!
حُسنِ خوابیدہ نے لی ہیں چونک کر انگڑائیاں

۱۹ ۰ ۱۱ ۰ ۶۵

بازآ ناصح ناداں انھیں سمجھانے سے
لذّتِ ہوش ملی ہے جنہیں میخانے سے

ہوش کھو کر ہی سمجھ پائے خم و پیچ کو ہم
ورنہ قاصر تھے تری زلف کے سلجھانے سے

گردشِ وقت کا پابند ہے دنیا کا مزاج
دوست بھی گزرے ہیں مُنھ پھیر کے بیگانے سے

میں اگر اپنی حقیقت کو نمایاں کر دوں
چونک اُٹھے گا زمانہ مرے افسانے سے

کون سے رازِ محبت کے امیں ہو کہ سرورؔ
دل ہے آسودہ مگر پھرتے ہو دیوانے سے

۲۸۰۱۰۶۶

مایوسِ تمنا ہے کیوں اے دلِ شیدائی
ہے اُن کے تغافل میں تلقینِ شکیبائی
وارفتگیِ الفت فیضانِ محبت ہے
ہر اہلِ محبت کی توقیر ہے رسوائی
کیا طرفہ تماشا ہے نیرنگیِ عالم بھی
خود ایک تماشا ہے ہر ایک تماشائی
اک سلسلۂ غم ہے اس زیست کی ہر منزل
جب جینے کی صورت کی جینے کی سزا پائی
نازاں تھے سرورؔ اب تک ہم عقل کے دعووں پر
تقدیر جواب بگڑی تدبیر نہ کام آئی!

۱۴۰۵۰۶۴

چپکے چپکے نگہِ ناز نے کیا کام کیا
خون ہو ہو کے بہا دل کا یہ انجام کیا

اُف وہ ان مست نگاہوں کی کشش کا عالم
زاہدِ خشک کو بھی غرقِ مے و جام کیا

اب تصوّر میں بھی کچھ اور نہیں تیرے سوا
دل کو اپنا کے ترے غم نے بڑا کام کیا

غیر کے غم پہ بھی ہو جاتی ہیں آنکھیں پُرنم
دل نے احساسِ محبت کو جہاں عام کیا

ہم کو جینے کی تمنّا میں غمِ زیست ملا
زندگی ہم نے انھیں سونپ کے آرام کیا

عشق کہتا ہے کہ فیضانِ جنوں ہی یہ سرور
آپ کہتے ہیں اسے عشق نے بدنام کیا

خوشا بندگی دل جہاں جھوم جائے
اگر سر جھکے آسماں جھوم جائے

پلا ساقیا آج وہ جام رنگیں!
میں جھوموں تو سارا جہاں جھوم جائے

ہر اک پھول محتاج مستی ہے اب تک
تم آجاؤ تو گلستاں جھوم جائے

چمکتی ہی چھپ کر گھٹاؤں میں بجلی
جو ہو رو برو آشیاں جھوم جائے

سرورؔ اس تجلی کا جویا ہوں دل میں
نظر جب اُٹھے آسماں جھوم جائے

دل میں ہجومِ حسرت و ارماں لیے ہوئے
یہ کون جا رہا ہے لبوں کو سیئے ہوئے

بیخود ہے پھر بھی نام زباں پر انہیں کا ہے
اٹھا ہے جو بھی ان کی نظر سے پیئے ہوئے

میرا قصور اس کے سوا اور کچھ نہیں !
ہوں دل میں آرزوئے پرستش لیے ہوئے

ہیں رحمتوں کی آس میں رندانِ میکدہ
جاں نذرِ دلفریبیٔ صہبا کیے ہوئے

ہم اے سرورؔ بادۂ عرفاں سے مست ہیں
آلامِ زندگی سے کنارا کیے ہوئے

۱۲۰۱۱۰۶۵

زندگی روزِ ازل سے خوگرِ آلام ہے
ہر تمنّائے سکونِ زیست غم انجام ہے

اس ادائے فتنہ ساماں پر نظر جاتی نہیں
دل ہی بے چارا جہانِ شوق میں بدنام ہے

شوق میں دل نے انہیں کو ان سے مانگا ہے سرور
دل کو وہ کیونکر نوازیں اب یہ ان کا کام ہے

جنھیں کبھی ہم بھلا نہ پائے انھیں کبھی ہم نہ یاد آئے
جنھیں محبّت میں دل دیا تھا انھیں کے ہاتھوں فریب کھائے

ہمیں چمن سازگار آیا نہ راس آئیں ہمیں بہاریں
وہیں گری آسماں سے بجلی جہاں کہیں آشیاں بنائے

عجیب دیکھی تری خدائی حیات چاہی تو موت آئی
خوشی سے جینے کی آرزو کے صلے میں بارِ الم اُٹھائے

فنا کے دامن میں زیست لرزاں خزاں کے سائے میں بہار آئی
جو شب کو منظر ملے سہانے سحر کو اُن کے نشان نہ پائے

یہ زندگی جب سمجھ میں آئی تو اپنی ہستی پہ شرم آئی!
سرورؔ ایسے جہاں سے گزرے کہ پھر پلٹ کر ادھر نہ آئے

سمجھا نہ تو نے زاہدِ ناداں حیات کو
نورِ خودی میں دیکھ فروزاں حیات کو

بحرِ جہاں میں مضطر و مصروفِ انتشار
دیکھا ہے مثلِ موج پریشاں حیات کو

خود بے نیاز و کاشفِ اسرارِ کائنات
حاصل ہے ایک فطرتِ وجدان حیات کو

ہے فطرتِ خودی پہ خرد کی جو اک نقاب
رکھا ہے اس نے مائلِ عصیاں حیات کو

زعمِ انا خرد کا جو ٹوٹے تو ہو عیاں!
تابانیِ حقیقتِ عرفاں حیات کو

خود آگہی ہے پردہ درِ جہلِ بندگی
عرشِ بریں ہے منزلِ عرفاں حیات کو

۲۳۰۱۲۰۶۶

ہے راہ اہلِ جنوں ماورائے دیر و حرم !
زمیں پہ چومتے پھرتے ہیں نقشِ پائے صنم
خرد کہ جس کی روش حادثات کی پابند
جنوں کہ جس کو زمانے کا کوئی رنج نہ غم
حیات واقفِ تمہیدِ غم نہیں اب تک
شریکِ درد رہا دل مگر ہے نامحرم
سرورِ منزلِ عرفانِ عشق جن کو ملی !
بنائے دیر و حرم ہیں انہیں کے نقشِ قدم

۱۲ - ۱۰ - ۶۵

بڑی مسرت ہوئی کہ ان کے فرزند اور احباب نے ان کے کلام کا ایک انتخاب تیار کر کے ایک ایسی یادگار قائم کی جو رام پور اور بیرون رام پور ان کے صاف ستھرے خیالات کو پہنچائے گی۔ کاش یہ مجموعہ ان کی حیات میں شائع ہوتا۔ مگر قضا و قدر پہ کس کا بس چلتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ یہ مجموعہ گانگت، رواداری اور بھائی چارے کے جذبات کو بڑھانے میں بھی مددگار ثابت ہوگا جو تصوف کا بہترین عطیہ ہے اور جسے انند کمار صاحب زندگی بھر اپنے رہن سہن اور میل جول سے عملی طور پر بھی پیش کرتے رہے۔

امتیاز علی خوشی

۱۰ نومبر ۱۹۶۹ء

نہ آئے گا چمن میں باغباں دورِ خزاں کب تک
لرزتی ہی رہے گی میری شاخِ آشیاں کب تک
نہ آئے گا مجھے اندازِ فریاد و فغاں کب تک
نہ بدلیں گی مری آہیں مزاجِ آسماں کب تک
خوشا دورِ جنوں کی یہ ادائے آبلہ پائی!
قدم بوسی کو آئیں گے نہ منزل کے نشاں کب تک
سرورِ بادۂ عرفاں نے بیداری عطا کی ہے
رہے گی زندگی گرویدۂ دورِ جہاں کب تک

۲۹۰ ۱۱۰۶۴

خوشا رندی کہ کوئی غم نہیں ہے
زمانے کا بھی اب ماتم نہیں ہے

ستم گر ہے زمیں بھی آسماں بھی
دل آزاری میں کوئی کم نہیں ہے

نشاطِ زندگی پہ مرنے والو!
بنائے عیش مستحکم نہیں ہے

فنا اور زیست میں ہے ربط باہم
الگ اِن کا کوئی پیہم نہیں ہے

تلاشِ ماہ و انجم ہے خرد کو
غمِ خود آگہی تا ہم نہیں ہے

سرورِ بادۂ عرفاں سلامت
یہ عالم ہی مرا عالم نہیں ہے

۳۰۰۱۱۰۶۴

دل نے شکست کھائی کچھ یوں غمِ جہاں سے
راہِ نشاط نکلی اپنی ہی داستاں سے

سُلجھی ہے کب خرد سے زلفِ حیات پیچاں
جب زندگی سے ہارے اُلجھے ہم آسماں سے

جب سر جُھکا کے دیکھا پیشِ نظر تھی منزل!
ہم راہ پوچھتے تھے منزل کی کہکشاں سے

ہے پیکرِ عمل کی معراج کامرانی!
آسائشِ دو عالم ملتی نہیں فغاں سے

ہیں نقشِ پا انہیں کے باقی سرِ وراب تک
گذرے چلے گئے جو بے لَوث اس جہاں سے

۲۰۰۲۰۶۵

ہے شراب باعثِ آگہی تو سرور حاصلِ زندگی
وہ گناہ قابلِ رشک ہے جسے چشمِ مست سے شہ ملی

مری صبح کتنی ملول تھی، مری شام کتنی اداس تھی
یہ کرم ہے تیری نگاہ کا کہ بدل گئی مری زندگی

نہ نظر میں دیر و حرم رہے جو ملا مجھے درِ میکدہ
کہ بہ فیضِ ساقیِ دیدہ ور نظر آئی منزلِ آگہی

یہ سرورِ نغمۂ سازِ دل یہ نیازِ عشق کی لذتیں!
ہیں یہی نشاطِ حیاتِ غم ہے انھیں سے عظمتِ زندگی

درد پھر اُٹھا ہے دل کو آزمانے کے لیے
مل گیا ہے پھر نیا عنواں فسانے کے لیے
حسرتوں کے خون سے آلودہ ہے خاکِ چمن
ورنہ کون آتا یہاں آنسو بہانے کے لیے
مژدہ اے تاریکیٔ دامانِ صحرائے جنوں!
شوق سرگرداں ہے شمع دل جلانے کے لیے
رنگ لائے گی کسی دن بے نیازیٔ سرور
بے حسی بڑھتی ہے دورِ غم بھلانے کے لیے

نہ سہی لطف جفاؤں سے رلاتے رہیے
واسطہ ہم سے بھی اتنا تو نبھاتے رہیے

مست نظروں سے کیے جایئے بیخود لیکن
اپنی یادوں کے لیے ہوش میں لاتے رہیے

تیرگیٔ غمِ دوراں سے گذرنے کے لیے
شمعِ ادراک کی لَو اور بڑھاتے رہیے

برق و باراں کی مدارات بھی کرنی ہوگی
تنکے چُن چُن کے نشیمن بھی بناتے رہیے

بن کے غم خوار بھی کچھ لوگ اُڑاتے ہیں مذاق
درد و ناکامیٔ الفت کو چھپاتے رہیے

منزلِ زیست سے دنیا میں مفر کب ہے سرور
بے نیازانہ قدم آگے بڑھاتے رہیے

۶۰۔۶۰۔۶۷

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

تبسّم لے کے پھولوں کے لیے فصلِ بہار آئی
فریبِ حسن پر مجھ کو ہنسی بے اختیار آئی

ملا آشفتگی میں آسرا دل کے سنبھلنے کا
درِ رحمت پہ جب میری جبینِ شرمسار آئی

سرورِ بادۂ عشرت بھی دیکھا لذّتِ غم بھی
مگر آخر مئے عرفاں ہی مجھ کو سازگار آئی

۹۰۳۰۹۴

ہر اشک غمِ ہجر کا افسانہ کہے ہے
دل اُن کے تصوّر میں بھی کیا کیا نہ کہے ہے

کیوں مجھ سے ہی پردہ ہے اب اے شاہدِ عنا!
دنیا مجھے تیرا ہی تو دیوانہ کہے ہے

ہے یہ بھی تری جلوہ نمائی کا اک انداز
دنیا جسے منصور کا افسانہ کہے ہے

وہ جادۂ مقصودِ تمنّا بھی نہیں کیا!
واعظ تو جسے منزلِ جانانہ کہے ہے

ہے باعثِ آرائشِ دل یار کی تصویر!
کہنے دو سرور اس کو جو بُت خانہ کہے ہے

۳۰۔۱۰۔۶۶

نہ جہانِ رنگ و بو پر جو یہ دل نثار ہوتا
نہ غمِ خزاں ہی ہوتا نہ غمِ بہار ہوتا

نہ ازل سے لے کے آتے یہ حیاتِ خوگرِ غم
نہ فریبِ آرزو کا کبھی دل شکار ہوتا

یہ طلسمِ باغِ عالم کبھی آرزو نہ بنتا
مری جستجو کا حاصل جو ترا دیار ہوتا

یہ طلب کی بغزشیں تھیں کہ بھٹک کے رہ گئے ہم
جو یقینِ شوقِ منزل سرِ رہ گذار ہوتا

نہ کہیں سرور ملتی یہ مئے خود آشنائی
جو نہ فیضِ چشمِ ساقی تمہیں سازگار ہوتا

۳۰-۹-۶۶